عصمتِ انبیاء (علیہم السلام)

و

حرمتِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

از قلم

محدث العصر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصمت انبیاء وحرمت صحابہ

یہ حقیقت مسلم اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ نبوت ورسالت وہ اعلیٰ ترین منصب ہے جو حق تعالیٰ ذکرہٗ کی طرف سے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے، تمام کائنات میں انسان اشرف المخلوقات ہے اور نبوت انسانیت کی آخری معراجِ کمال، انسانیت کے بقیہ تمام مراتب وکمالات اس سے پست اور فروتر ہیں، انسانی فکر کی کوئی بلندی نبوت کی حدوں کو نہیں چھو سکتی، نہ انسانیت کا کوئی شرف وکمال اس کی گردِ راہ کو پہنچ سکتا ہے، اس سے اوپر بس ایک ہی مرتبہ ہے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت کا مرتبہ! منصبِ نبوت عقولِ انسانی سے بالاتر ہے، اس کی پوری حقیقت صرف وہی جانتا ہے جس نے یہ منصب عطا فرمایا یا پھر ان مقدس ہستیوں کو معلوم ہو سکتی ہے جن کو اس منصب رفیع سے سرفراز کیا گیا، ان کے علاوہ تمام لوگوں کا علم وفہم سرِ نبوت کی دریافت سے عاجز اور عقل اس کی ٹھیک حقیقت وکُنہ کے ادراک سے قاصر ہے، جس طرح ایک جاہل علم کی حقیقت سے بے خبر ہے، اسی

طرح غیر نبی نبوت کی حقیقت سے ناآشنا ہے، اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسالت و نبوت کا منصب رفیع تو درکنار، معمولی ہنر و فن کا بھی یہی حال ہے، کسی فن کی صحیح حقیقت تک رسائی اسی صاحب کمال کے لئے ممکن ہے جسے وہ فن حاصل ہوا اور اسی حد تک ممکن ہے جس حد تک اسے فنی رسوخ و کمال حاصل ہو۔

ہمارے حضرت استاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی (نور اللہ مرقدہ) فرمایا کرتے تھے کہ:

''نبوت تو کیا اجتہاد کی حقیقت کے ادراک سے بھی ہم قاصر ہیں''۔

یعنی اجتہاد کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ محض اس کی ظاہری سطح ہے اور جتنی معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ صرف سطحی معلومات ہیں (اسے منطقی اصطلاح میں علم بالوجہ کہتے ہیں) ورنہ اجتہاد کی حقیقت کا صحیح ادراک صرف مجتہد کو ہوسکتا ہے جسے یہ ملکہ حاصل ہو، اسی طرح نبوت کا علم بھی عام انسانوں کو محض آثار و لوازم کے اعتبار سے ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ:

نبوت کے لئے حق تعالیٰ جل ذکرہ ایک ایسی برگزیدہ اور معصوم شخصیت کا انتخاب فرماتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن، قلب و قالب، روح و جسد ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے، وہ ایسا پاک طینت اور سعید الفطرت پیدا کیا جاتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات رضاء و مشیت الٰہی کے تابع ہوتی ہیں، ردائے عصمت اس کے زیب تن ہوتی ہے، حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر دم اس کی نگرانی کرتی ہے، اس کی ہر حرکت و سکون پر حفاظت خداوندی کا پہرہ بٹھادیا جاتا ہے اور وہ نفس و شیطان کے تسلط و استیلاء سے بالاتر ہوتا ہے، ایسی شخصیت سے گناہ و معصیت اور نافرمانی کا صدور ناممکن اور منطقی اصطلاح میں محال و ممتنع ہے، اسی کا نام عصمت ہے(۱) اور ایسی ہستی کو معصوم کہا جاتا ہے، عصمت لازمہ نبوت ہے، جس طرح یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کسی لمحہ نبوت نبی سے الگ ہوجائے اسی طرح اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ عصمت نبوت اور نبی سے ایک آن کے لئے بھی جدا ہوسکتی ہے، معاذ اللہ۔

حضرات علما نے تحقیق فرمائی ہے کہ ایک ہے معصوم اور ایک ہے محفوظ، معصوم وہ ہے جس سے گناہ و معصیت کا صدور محال ہو، اور محفوظ وہ ہے جس سے صدور معصیت محال تو نہ ہو لیکن کوئی معصیت صادر نہ ہو یا آسان اور سادہ لفظوں میں یوں تعبیر کریں گے کہ معصوم وہ ہے جو گناہ کر ہی نہیں سکتا اور محفوظ کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کر تو سکتا ہے لیکن کرتا نہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ محفوظ ہیں۔

---

(۱) اس کے یہ معنی نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے قدرت سلب کرلی جاتی ہے بلکہ عصمت کا مدار ان ہی دو چیزوں پر ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا یعنی اول تو ان کی فطرت اتنی پاکیزہ اور مصفّٰی مزکّٰی ہوتی ہے کہ وہ گناہ و معصیت کا تصور بھی نہیں کرسکتے اور گناہ کا تصور فطرۃً ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ دوم یہ کہ حفاظت الٰہی کی نگرانی ایک لمحہ کے لئے ان سے جدا نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کے ہوتے ہوئے صدور معصیت کا امکان نہیں رہتا۔ (مدیر)

الغرض نبوت ورسالت کے عظیم ترین منصب کے لئے حق تعالیٰ اسی شخصیت کو بحیثیت نبی ورسول کے منتخب کرتا ہے جو حسب ونسب، اخلاق واعمال، عقل وبصیرت، عزم وہمت اور تمام کمالات میں اپنے دور کی فائق ترین شخصیت ہو، نبی تمام جسمانی وروحانی کمالات میں یکتائے زمانہ ہوتا ہے اور کسی غیر نبی کو کسی معتد بہ کمال میں اس پر فوقیت نہیں ہوتی، قرآنی وشرعی الفاظ میں اس شخصیت کا انتخاب اجتبا، اور اختیار خود حق تعالیٰ فرماتا ہے، کون نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے، اس کے لئے ظاہر وباطن اور سر وجہر سب عیاں ہے، ماضی ومستقبل اور حال کے تمام حالات بیک وقت اس کے علم میں ہیں، اس میں نہ غلطی کا امکان نہ جہل کا تصور، قرآن کریم کی بے شمار آیات میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی ہے:

﴿اِنَّ اللہ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ [النساء:۳۲]

اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

﴿وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ﴾ [یونس:٦١]

اور غائب نہیں تیرے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز بھی، نہ زمین میں نہ آسمان میں۔

﴿یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَهْرَکُمْ﴾ [الانعام:۳]

وہ جانتا ہے تمہارے پوشیدہ کو اور ظاہر کو۔

ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم محیط نبوت ورسالت کے لئے کسی شخصیت کو منتخب کرے گا تو اس میں کسی نقص کے احتمال کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اس منصب کے لئے جس مقدس ہستی پر حق تعالیٰ کی نظر انتخاب پڑے گی اور جسے تمام انسانوں سے چھانٹ کر اس عہدہ کے لئے چنا جائے گا، وہ اپنے دور کی کامل ترین، جامع ترین، اعلیٰ ترین اور موزوں ترین شخصیت ہوگی، البتہ خود انبیاء ورسل کے درمیان کمالات ودرجات میں تفاوت اور فرق مراتب اور بات ہے۔

نیز یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ نبوت ورسالت محض عطیہ الٰہی ہے، کسب واکتساب سے اس کا تعلق نہیں کہ محنت ومجاہدہ اور ریاضت ومشقت سے حاصل ہو جائے، دنیا کا ہر کمال محنت ومجاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن نبوت ورسالت حق تعالیٰ کا اجتبائی عطیہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس منصب کے لئے چن لیتا ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ تصریحات موجود ہیں:۔

﴿اللہ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج:۷۵]

اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغامبر اور انسانوں سے۔

﴿اللہ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ [الانعام:١٢٤]

اللہ کو خوب علم ہے جہاں رکھتا ہے وہ اپنے پیغامات۔

ان حقائق شرعیہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی نبی و رسول فرائض نبوت میں کوتاہی بھی کر سکتا ہے، کجا کہ کسی نبی نے ۔معاذ اللہ۔ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہیاں کی ہوں، اس لئے یہ کہنا کہ "فلاں نبی سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔" "نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا۔" یا یہ کہ "فلاں نبی بغیر اذنِ الٰہی کے اپنی ڈیوٹی سے ہٹ گیا۔" انتہائی کوتاہی کی بات ہے اور وہ اپنے اندر بڑے سنگین مضمرات رکھتی ہے۔ اسی طرح کسی مشکل مقام کی تہہ کو نہ پہنچنے کی بنا پر یہ اٹکل پچو کلیہ گھڑ لینا کہ "عام انسانوں کی طرح نبی بھی مومن کے بلند ترین معیارِ کمال پر ہر وقت قائم نہیں رہ سکتا، وہ بھی بسا اوقات تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے اور جب اللہ کی طرف سے اسے متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ عمل محض ایک "جاہلیت کا جذبہ" ہے تو نبی فوراً اسلامی طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتا ہے۔" نہایت خطرناک بات اور مقامِ نبوت سے ناشناسائی کی عبرت ناک مثال ہے:

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اسی طرح یہ کہنا کہ "نبی اور رسول پر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے ...... اور آنا چاہئے ...... جب کہ اس سے عصمت کا پردہ اٹھا لیا جاتا ہے اور اس سے ایک دو گناہ کرائے جاتے ہیں تا کہ اس کی بشریت ظاہر ہو۔" یہ ایک ایسا خطرناک قسم کا غلط فلسفہ (سوفسطائیت) ہے جس سے تمام شرائع الٰہیہ اور ادیانِ سماویہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

نبوت سے عصمت کے جدا ہو جانے کے معنی یہ ہوئے کہ عین اس وقت نبی کی حیثیت ایک ایسی شخصیت کی نہیں ہوتی جو امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہو، اور جسے امین و مامون قرار دیا گیا ہو، اس وقت اس کی حیثیت ایک عام انسان کی سی ہوگی یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہیئے کہ عین اس حالت میں جب کہ نبی سے عصمت اٹھالی جاتی ہے وہ نبوت اور لوازمِ نبوت سے موصوف نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ غلط منطق تسلیم کر لی جائے تو سارا دین ختم ہو جاتا ہے نبی اور رسول کی ہر بات ...... معاذ اللہ ...... مشکوک ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی قول و عمل اور تلقین و تعلیم قابلِ اعتماد نہیں رہتی کیونکہ ہر لمحہ یہ احتمال رہے گا کہ شاید یہ ارتفاعِ عصمت اور انخلاع عن النبوت کا وقت ہو ...... بظاہر یہ بات جو بڑے حسین و جمیل فلسفہ کی شکل میں پیش کی گئی ہے، غور کیجئے تو یہ اس قدر غیر معقول اور ناقابلِ برداشت ہے کہ کوئی معقول آدمی جو شریعت الٰہی کو سمجھتا ہو، اس کی جرأت تو کجا اس کا تصور تک نہیں کر سکتا؟ جن لوگوں کی زبان و قلم سے یہ بات نکلی ہے ...... اور افسوس ہے کہ بڑے اصرار و تکرار سے مسلسل نکلتی جا رہی ہے ...... ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ انہیں نہ علم کی حقیقت تک رسائی ہوئی ہے نہ نبوت کے تقاضوں کو انہوں نے صحیح سمجھا ہے۔

اور یہ بات بھی کسی علم و دانش کا پتہ نہیں دیتی کہ جب تک ہم انبیاء کرام علیہم السلام کو عام انسانوں کی طرح دو چار گناہوں میں مبتلا نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہمیں ان کی بشریت کا یقین ہی نہیں آئے گا ...... کون نہیں جانتا کہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کھاتے ہیں، پیتے ہیں، انہیں صحت و مرض جیسے بیسیوں انسانی عوارض لاحق ہوتے

ہیں، وہ انسانوں سے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے انسانی نسل چلتی ہے، علاوہ ازیں وہ بار بار اپنی بشریت کا اعلان فرماتے ہیں، کیا ان تمام چیزوں کے بعد بھی اس بات کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ جب تک ان سے عصمت نہیں اٹھالی جاتی اور دو ایک گناہ نہیں ہونے دیئے جاتے تب تک ان کی بشریت مشتبہ رہے گی؟ اور ہمیں ان کی بشریت کا یقین نہیں آئے گا؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بھول چوک اور خطاء ونسیان تو خاصۂ بشریت ہے، مگر گناہ ومعصیت مقتضائے بشریت نہیں بلکہ خاصۂ شیطانیت ہے، انسان سے گناہ ہوتا ہے تو محض تقاضائے بشریت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ شیطان کے تسلط واغواء سے ہوتا ہے، اس لئے گناہوں کے ارتکاب سے انبیاء علیہم السلام کی بشریت ثابت نہیں ہوگی بلکہ اور ہی کچھ ثابت ہوگا اور جو لوگ بھول چوک اور ''معصیت'' کے درمیان فرق نہیں کر سکتے انہیں آخر کس نے کہا ہے کہ وہ ان نازک علمی مباحث میں الجھ کر ''ضلوا فأ ضلوا'' (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) کا مصداق بنیں۔

بہر حال یہ عصمت اور کمالاتِ نبوت تو ہر نبی کے لئے لازم وضروری ہیں اب غور فرمایئے کہ جس مقدس ترین شخصیت کو تمام انبیاء ورسل کی سیادت وامامت کے مقام پر کھڑا کیا گیا ہو، جسے ختم نبوت ورسالت کبریٰ کا تاج پہنایا گیا ہو، اور جسے ع ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے اعلیٰ ترین منصب سے سرفراز کیا گیا ہو (بآبائنا وامھاتنا ﷺ) کائنات کی اس بلند ترین ہستی کے شرف وکمال، طہارت ونزاہت، حرمت وعظمت، عفت وعصمت اور رسالت ونبوت کا مقام کون معلوم کرسکتا ہے؟ اگر ایسی فوق الادراک ہستی کے بارے میں بھی کوئی ایسا کلمہ کہا جائے کہ کسی وقت غیر معصومیت ان پر بھی آسکتی ہے تو کیا اس عظیم ترین جرم کی انتہا معلوم ہوسکتی ہے؟

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتم النبیین ہوئے، اور منصب رسالت ونبوت کی سیادتِ کبریٰ سے مشرف ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو آخری شریعت اور قیامت تک آنے والی تمام قوموں اور نسلوں کے لئے آخری قانون بنایا گیا تو اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت تھی، ایک یہ کہ آسمانی قانون قیامت تک جوں کا توں محفوظ رہے، ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے اس کی حفاظت کی جائے، الفاظ کی بھی اور معانی کی بھی، کیونکہ اگر الفاظ کی حفاظت ہو اور معانی کی حفاظت نہ ہو تو یہ حفاظت بالکل بے معنی ہے، دوم یہ کہ جس طرح علمی حفاظت ہو اسی طرح عملی حفاظت بھی ہو، اسلام محض چند اصول ونظریات اور علوم وافکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظامِ عمل لے کر چلتا ہے، وہ جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں اصول وقواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے، اس لئے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کی علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کے علم وعمل کی حامل وامین ہو، حق تعالیٰ نے دین محمدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جماعت سرفہرست ہے، ان حضرات نے براہ راست صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہ کر اخلاق واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی، تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہوکر عقائد حقہ اختیار کئے، رضائے الٰہی کے لئے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کردیا، ان کے کسی طرز عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی، الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لئے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم ومزکی اور استاذ واتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللہ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِہٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران:١٦٤]

بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول، ان ہی میں سے، وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جارہی تھی، اس لئے ضروری تھا یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لئے قابل اعتماد ہوں، چنانچہ قرآن وحدیث میں جابجا ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے، چنانچہ:

الف:...... وحی خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وللّٰہیت پر شہادت دی اور انہیں یہ رتبہ بلند ملا کہ ان کو رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الف صلاۃ وسلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاًمِّنَ اللہ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ [الفتح:٢٩]

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں۔ وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا

فضل اور اس کی رضا مندی ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان ہے۔

گویا یہاں محمد رسول الله (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک وشبہ ہو، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہئے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق وراستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے:

''کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا''

ب:......حضرات صحابہؓ کے ایمان کو''معیارِ حق'' قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق وسفاہت کی دائمی مہر ثبت کر دی گئی:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاء اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاء وَلٰكِن لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة:۱۳]

اور جب ان (منافقوں) سے کہا جائے''تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ (صحابہ کرام) ایمان لائے ہیں'' تو جواب میں کہتے ہیں''کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں؟'' سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے۔

ج:......حضرات صحابہ کرام کو بار بار''رضی الله عنهم و رضوا عنه''(اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے یہ اس شدت وکثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرام کا یہ لقب امت کا تکیہ کلام بن گیا، کسی نبی کا اسم گرامی آپ''علیہ السلام'' کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی''رضی الله عنه'' کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر، بلکہ ان کے ظاہر و باطن اور حال ومستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہئے کسی اور کے بارے میں تو ظن وتخمین ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؟ مگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو نصِ قطعی موجود ہے، اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے اور پھر اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا'' بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے مسلک کو "معیاری راستہ" قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵]

اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے۔

آیت میں "المؤمنین" کا اولین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے، رضی اللہ عنہم، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرامؓ کی سیرت وکردار اور ان کے اخلاق واعمال کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ صحابہؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ﴾ [التحریم:۸]

جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

اس قسم کی بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں آیات میں صحابہ کرام کے فضائل ومناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دین کے سلسلہ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت معاذ اللہ نہ قابل اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق واعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ دین کی علمی وعملی تدبیر نہیں کر سکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاکم بدہن رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مجروح ہوجاتی ہے۔

دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح وقدح کا نشانہ بناؤ، ان کی سیرت وکردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت وعدالت کو مشکوک ثابت کرو، صحابہ کرامؓ چونکہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لئے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے، چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہ کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت وکردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق واعمال پر تنقیدیں کی گئیں ان پر مال وجاہ کی

حرص میں احکام خداوندی سے پہلوتہی کرنے کے الزامات دھرے گئے، ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری، اقربانوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو وانتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ''معیار'' قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی ''آمنوا کما امن الناس'' انہی کے ایمان وکفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا، اور تکفیر وتفسیق تک نوبت پہنچادی گئی، جن جانبازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا، انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے، جن مردانِ خدا کے صدق وامانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی:

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيلاً﴾ [الاحزاب:۲۳]

یہ وہ ''مرد'' ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جانِ عزیز تک اسی راستہ میں دے دی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم واستقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق وامانت سے موصوف تھے، نہ اخلاص وایمان کی دولت انہیں نصیب تھی جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھر بار کو، اپنے عزیز واقارب کو، اپنے دوست احباب کو، اپنی ہر لذت وآسائش کو، اپنے جذبات وخواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص وہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی، لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً اِدًّا۔

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کر لیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرامؓ امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی، قرانِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے امان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لئے آیا تھا، ایک قدم آگے نہ چل سکتا، مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے علم الٰہی سے اوجھل نہیں تھے، اس کا اعلان تھا:

﴿وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف:۸]

اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرام کا تزکیہ فرمایا، ان کی توثیق وتعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لئے یہ اعلان فرمادیا:

﴿اُولٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [المجادلة:۲۲]

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، بالخصوص خلفائے

راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل کی تو انتہا کر دی، جس کثرت وشدت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب، ان کے مزایا وخصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افرادِ امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان حضرات کا تعلق چونکہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبتِ رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابلِ معافی جرم فرمایا:

"الله الله في أصحابي، الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن ياخذه".(۱)

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اور اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لئے ان پر زبانِ تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں، ارشاد ہے:

"لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً مابلغ مُدّ احدهم ولا نصيفه"(۲)

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے چنانچہ) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشرِ عشیر کو۔

مقامِ صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون ومردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں فرمایا:

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵ ط:قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب المناقب ج:۱ ص:۵۱۸، ط:قدیمی۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تحریم سب الصحابة ج:۲ ص:۳۱۰، ط:قدیمی

"اذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم"(١)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم

(١) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج: ٢ ص: ٢٢٥، ط: قدیمی

اس اصول کے علاوہ جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے اس حدیث پاک کے مفہوم و منطوق سے کئی اور اہم مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں مختصراً ان کی طرف اشارہ کر دینا مفید ہوگا:

① حدیث میں "سب" سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ وہ قائل کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے (وقد صرح به بقوله فمن آذاهم فقد آذاني) اور آپ ﷺ کے قلبِ اطہر کو ایذا دینے میں حبطِ اعمال کا خطرہ ہے لقوله تعالى ﴿أن تحبط أعمالكم وأنتم لاتشعرون﴾

③ صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملتِ اسلامیہ کا فرض ہے "فان الأمر للوجوب"

④ آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدینِ صحابہؓ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے لعنة الله على شركم.

⑤ "شرکم" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے ناقدینِ صحابہؓ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقیدِ صحابہؓ کی رگ کٹ جاتی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یہ بات تو بالکل جلی ہے کہ صحابہؓ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے، تم ہوا پر اڑو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی اٹھو مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا، تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد (ﷺ) کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوارِ مقدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۂ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمر ان کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ محمدی میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شراب طہور کے جام بھر بھر دیئے جاتے اور تشنہ کام "ہل من مزید" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو كأني أرى الله عياناً کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں كأنما على رؤسنا الطير کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشینِ تختِ رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف هذا الأبيض المتكي سے اشارے کئے جاتے تھے؟ تم وہ شمیمِ عنبر کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانۂ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینۂ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو "صبغة الله" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے، تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سرِ محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو پھر کیا دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ میرے صحابہؓ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہئے؟

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔(۱)

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی و نبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرزِ عمل قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ اور ارشاداتِ نبوت کے انکار کے مترادف ہے، یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیتِ منصب نبوت کے عاید کئے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیۂ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرضِ منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے، حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں۔

---

(۱) بقیہ حاشیہ: علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسانؓ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے:

أتهجوه ولست له‘ بكفوء　　　فشركما لخير كما فداء

ترجمہ: کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔

⑥ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے، آپ جب کسی شخص کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے اور جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو کما حقہٗ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے، یہ ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ خبث جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی "شر" کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

⑦ حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہِ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہئے، اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں، اب رہا یہ قصہ کہ "تم دونوں میں برا" کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

⑧ حدیث میں "**فقولوا**" کا خطاب امت سے ہے گویا ناقدین صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ ناقدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر "فليس منا" کی وعید سنائی گئی ہے۔

⑨ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ناموس صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔

⑩ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہ کی جماعت بھی ان "مارقین" سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحۃً بھی آ رہا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ (مدیر)

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ اناللہ۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ نعوذ باللہ من الغواية والسفاهة۔ چنانچہ اہل ہوا کی بڑی جماعت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ''بدا'' ہوتا ہے، یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہوجاتا ہے، جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرام کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا......؟

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب وسنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہوجاتی ہے، بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کیا گیا ہے، اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو:

''من آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيو شك أن يأخذه''(۱)

جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت ومحبت رہا ہے، تمام اہل حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ:

''ونكف عن ذكر الصحابة الا بخير''

اور ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرام کا ''ذکر بالخیر'' ہے جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو، ان کو موردِ الزام قرار دیتا ہو، اور ان پر سنگین اتہامات کی فردِ جرم عائد کرتا ہو وہ اہل حق میں شامل نہیں ہے۔

جو حضرات اپنے خیال میں بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قبائح صحابہ کو ایک مرتب فلسفہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسے ''تحقیق'' کا نام دیتے ہیں، انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تسویدِ اوراق کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین کے نام پر دین سے بیزار کردیا جائے اور ہر ایرے غیرے کو صحابہ کرامؓ پر تنقید کی کھلی چھٹی دے دی جائے، جنہیں نہ علم ہے

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵ ط:قدیمی

نہ عقل، نہ فہم ہے نہ فراست۔

اور یہ نرا اندیشہ ہی اندیشہ نہیں بلکہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہونے لگا ہے، الامان والحفیظ۔

کہا جاتا ہے کہ ''ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ سارا مواد موجود تھا۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے جمع کر دیا ہے۔'' افسوس ہے کہ یہ عذر پیش کرتے ہوئے بہت سی اصولی اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ورنہ بادنیٰ تامل واضح ہو جاتا کہ صرف اتنا عذر طعن صحابہ کی وعید سے بچنے کے لئے کافی نہیں، اور نہ وہ اتنی بات کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

اولاً:.... قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ، احادیث ثابتہ اور اہل حق کا اجماع صحابہ کی عیب چینی کی ممانعت پر متفق ہیں، ان قطعیات کے مقابلہ میں ان تاریخی قصہ کہانیوں کا سرے سے کوئی وزن ہی نہیں، تاریخ کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں تمام رطب و یابس اور صحیح و سقیم چیزیں جمع کی جاتی ہیں، صحت کا جو معیار ''حدیث'' میں قائم رکھا گیا ہے، تاریخ میں وہ معیار نہ قائم رہ سکتا تھا نہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے حضرات محدثین نے ان کی صحت کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں:

ولیعلم الطالب أن السیرا

یجمع ماقد صح وما قد أنکرا

یعنی علم تاریخ و سیر صحیح اور منکر سب کو جمع کر لیتا ہے۔

اب جو شخص کسی خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تاریخی مواد کو کھنگال کر تاریخی روایات سے استدلال کرنا چاہتا ہے اسے عقل و شرع کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے کہ یہ روایت فلاں فلاں تاریخ میں لکھی ہے بلکہ جس طرح وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ روایت اس کے مقصد و مدعا کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ اسی طرح اسے اس پر بھی غور کر لینا چاہئے کہ کیا یہ روایت شریعت یا عقل سے متصادم تو نہیں؟ اس اصول کی وضاحت کے لئے یہاں صرف ایک مثال کا پیش کرنا کافی ہوگا۔

آپ ''خلیفہ راشد'' اسے کہتے ہیں جو ٹھیک منہاج نبوت پر قائم ہو اور اس کا کوئی عمل اور کوئی فیصلہ منہاجِ نبوت کے اعلیٰ معیار سے ہٹا ہوا نہ ہو، اب آپ ایک صحابیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہوئے اس پر یہ الزام عائد کرتے کہ انہوں نے بلا کسی استحقاق کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) اپنے فلاں رشتہ دار کو بخش دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ''خلافت راشدہ'' اور منہاجِ نبوت یہی ہے جس کی تصویر اس افسانے میں دکھائی گئی ہے؟ اور آج کے ماحول میں اس روایت کو من و عن تسلیم کرنے سے کیا یہ ذہن نہیں بنے گا کہ خلافتِ راشدہ کا معیار بھی آج کے جائر حکمرانوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہوگا جو اپنے رشتہ داروں کو روٹ پرمٹ اور امپورٹ لائسنس مرحمت

فرماتے ہیں؟ اسی پر ان دوسرے الزامات کو قیاس کر لیجئے جو بڑی شانِ تحقیق سے عائد کئے گئے ہیں۔

ثانیاً:...... یہ تاریخی روایات آج یکا یک نہیں ابھر آئی ہیں بلکہ اکابر اہلِ حق کے سامنے یہ سارا کچھ موجود رہا ہے اور وہ اس کی مناسب تاویل وتوجیہ کر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ان تاریخی واقعات کو بڑی آسانی سے کسی اچھے محمل پر محمول کیا جا سکتا ہے، اب ایک شخص اٹھتا ہے اور ''بے لاگ تحقیق'' کے شوق میں ان کے ایسے محمل تلاش کرتا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کی صریح تنقیص اور ان کی سیرت وکردار کی گراوٹ مفہوم ہوتی ہے، کیا اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھا جائے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں وہ ''حسن ظن'' رکھتا ہے؟

اور عجیب بات یہ کہ جب اس کے سامنے اکابر اہل حق کے طرزِ تحقیق کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ان حضرات کو ''وکیل صفائی'' کہہ کر ان کی تحقیقات کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا، غالباً یہ دنیا کی نرالی عدالت ہے جس میں ''وکیل استغاثہ'' کے بیان پر یک طرفہ فیصلہ دیا جائے اور ''وکیل صفائی'' کے بیانات کو اس جرم میں نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ کسی مظلوم کی طرف سے صفائی کا وکیل بن کر کیوں کھڑا ہو گیا ہے، اوپر قرآن وسنت کی جن نصوص کا حوالہ دیا گیا اور اہل حق کے جس اجماعی فیصلہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ صرف حافظ ابن تیمیہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ ہی نہیں، بلکہ خدا اور رسول اور پوری امت کے اہل حق، صحابہ کرام کے ''وکیل صفائی'' ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ وکیل صفائی کی صف میں شامل ہونا پسند کرتا ہے یا وکیل استغاثہ کی صف میں۔

ثالثاً:...... ان تاریخی روایات کے متفرق جزئی واقعات کو چن چن کر جمع کرنا، انہیں ایک مربوط فلسفہ بنا ڈالنا، جزئیات سے کلیات اخذ کر لینا اور ان پر ایسے جلی اور چبھتے ہوئے عنوانات جمانا جنہیں آج کی چودھویں صدی کا فاسق سے فاسق بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرے گا، یہ نہ تو دین وملت کی کوئی خدمت ہے، نہ اسے اسلامی تاریخ کا صحیح مطالعہ کہا جا سکتا ہے، البتہ اسے ''تاریخ سازی'' کہنا بجا ہوگا۔ بقول سعدیؒ:

''ولیکن قلم در کفِ دشمن است''

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی ادنیٰ مسلمان اپنے بارے میں یہ سننا پسند کرے گا کہ اس نے خدائی دستور کو بدل ڈالا؟ اس نے بیت المال کو گھر کی لونڈی بنالیا؟ اس نے مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی؟ اس نے عدل وانصاف کی مٹی پلید کر ڈالی؟ اس نے دیدہ ودانستہ نصوصِ قطعیہ سے سرتابی کی؟ اس نے خدائی قانون کی بالادستی کا خاتمہ کر ڈالا؟ اس نے اقربا پروری وخویش نوازی کے ذریعہ لوگوں کی حق تلفی کی؟

کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیز گار آدمی ان جگر پاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟ اگر نہیں...... اور یقیناً نہیں...... تو کیا صحابہ کرامؓ ہم نالائقوں سے بھی گئے گزرے ہوں گے؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب وقبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے، پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور رد کرنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت وحرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام صحابہؓ کا ''ذکر بالخیر'' ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہئے:

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ کہو' تم میں سے (یعنی صحابہ کرام' اور ان کے ناقدین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت!''۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، بعد کی امت کے لئے حق و باطل کا معیار ہیں، انہیں معیت نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں، کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لئے مایہ صد افتخار ہے، اس لئے امت کے کسی فرد کا...... خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوراں اور علامۂ زماں ہی کہلواتا ہو...... ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے...... ایاز! قدر خویش بشناس!! یہ دنیا حق و باطل کی آماجگاہ ہے، یہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، بسا اوقات ایک آدمی اپنے غلط نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹا رہتا ہے جس سے رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں کجی آ جاتی ہے اور بالآخر اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنے کی استعداد ہی سلب ہو جاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اہل حق و تحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ ''میں یہ سمجھتا ہوں'' کی بر خود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں اخلاص و خیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا ''ضمیمہ'' لگانے بیٹھ جائیں اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم و زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں حق تعالیٰ جل ذکرہ' ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زیغ و ضلال سے محفوظ فرمائے، اور اتباع حق کی توفیق بخشے۔(۲)

﴿ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب﴾ وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية محمد وعلى آله وأصحابه وأتباعه أجمعين آمين.

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ ج:۲ ص:۲۲۵، ط: قدیمی

(۲) مندرجہ بالا مضمون مجلس دعوت و تحقیق اسلامی کے رفیق کار جناب مولانا یوسف طلال امریکی کے قلم سے انگریزی میں منتقل ہو کر کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ (مختار)